© rasailojaraid.com

'امت'، 'قوم' کا مفہوم ودائرہ کار (ایک تحقیقی وتقابلی جائزہ)

کلثوم بی بی*
شمس البصر **

امت کا مفہوم:

لغوی مفہوم:

''الامۃ'' عربی زبان کا لفظ ہے۔ یہ ام سے مشتق ہے جسکے معنی ہیں ماں۔ یہ اسم مونث شمار ہوتا ہے اسکی جمع 'امم' ہے۔ 'امۃ' مختلف معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے جیسے فرد واحد جو جامع خیر ہو، امام، ایسی جماعت جس کی طرف کوئی رسول مبعوث ہوا ہو، ہر جاندار کی نسل، جنس، وہ شخص جو برسرِ حق اور دوسرے تمام ادیان کا مخالف ہو، زمانہ قامت، ماں، چہرہ، سرگرمی، اطاعت، عالم، امۃ الوجہ سے مراد چہرہ کے نقوش، امۃ الرجل سے مراد قوم، امۃ اللہ سے مراد مخلوق۔

صاحبِ لسان العرب کے مطابق:

والأمۃ:القرن من الناس ، یقال : قدمضت اممٌ ای قرونٌ، وامۃ کل لنبی : من ارسل الیھم من کافر ومؤمن(۱)

امت سے مراد ہے ایک زمانہ کے لوگ۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ امتیں فلاں ادوار کی۔ اور ہر نبی جن لوگوں کی طرف بھیجا گیا چاہے وہ کافر ہوں یا مومن امت کہلاتے ہیں۔ لغات القرآن کے مطابق لفظ امت کے معنی ہیں جماعت، مدت، طریقہ، دین۔(۲) قاموس مترادفات میں امت کے معنی قوم، مت، جماعت، گروہ، پیروکار، ایک مذہب والے جبکہ اسکی جمع امم کے معنی ہیں امتیں، اقوام، ملل، جماعتیں، گروہ وغیرہ۔(۳) حسبِ نور اللغات کے مطابق ''امت: مونث گروہ جو کسی پیغمبر کا پیرو اور تابع ہو۔''(۴)

ان کتب لغات کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ علمائے لغت اس بات پر متفق ہیں کہ امت کے اصل معنی جماعت کے ہیں۔ اس طرح اس بات پر بھی متفق ہیں کہ اس کا اطلاق ایسی جماعت پر ہوگا جو کسی ایک عقیدہ ونظریہ کی بناء پر وجود میں آئی ہو۔ اب اختلاف اس بات پر ہے کہ بعض اسے عام استعمال کرتے ہیں یعنی کسی بھی قسم کے نظریہ پر متفق جماعت چاہے وہ دینی و مذہبی لحاظ سے ہو چاہے کفر سے متعلق اصل انسانوں کا اتحاد ہے جبکہ بعض اس اتحاد کو مخصوص کرتے ہیں یعنی کسی ایک مذہب کے

*پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور، بہاولپور، پاکستان
**پروفیسر، (ر) شعبہ علوم اسلامیہ، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور، بہاولپور، پاکستان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیروکار ہوں یاکسی ایک پیغمبر کے متابعین۔

اصطلاحی مفہوم:

لفظ امت کا بنیادی طور پر ایک ہی معنی نکلتا ہے اور وہ ہے جماعت۔ لیکن چونکہ جماعتیں بھی کئی طرح کی ہوتی ہیں مثلاً انبیاء کا اتباع کرنے والوں کی جماعت، علماء کی جماعت، ان لوگوں کی جماعت جن کی طرف انبیاء مبعوث ہوئے، ہر جاندار کی نسل یا جنس وغیرہ۔ امام طبری کہتے ہیں کہ امت کی اصل لوگوں کی ایسی جماعت ہے جو ایک دین اور ایک ملت پر جمع ہو ان کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ امتہ اسم فاعل کے معنی میں ہے۔(۵) ابوجعفر طبری کا قول ہے کہ امت دین کے معنی میں بھی آتا ہے اسکی اصل یہ ہے کہ ان لوگوں کو جو ایک دین پر ہوتے ہیں امت کہا جاتا ہے اس طور پر امت کو دین کا قائم مقام کر دیا گیا۔(۶) ابن قتیبہ لکھتے ہیں والاصل انہ یقال للقوم یجتمعون علی دین واحد: امۃ، فتقام الامۃ مقام الدین (۷) قوم اصل میں ایک دین پر جمع ہونے والے لوگوں کے گروہ کو کہتے ہیں اور امت سے مراد جو ایک دین پر قائم ہوں۔ یعنی اصطلاحاً وہ جماعت جن کے مابین رشتہ دینی ہو یا وہ جغرافیائی اور عصری وحدت میں منسلک ہوں امت کہلاتے ہیں۔

امۃ بمعنی فرد واحد یعنی اسکا اطلاق ایسے شخص پر بھی ہوتا ہے جو خیر کا جامع ہو جیسے زید بن عمرو بن نفیل کے سلسلے میں وارد حدیث ہے **انہ یبعث یوم القیامۃ امۃ واحدۃ** (۸) وہ قیامت کے دن ایک امت کی شکل میں اٹھائے جائیں گے۔ امۃ فرد واحد کے لئے کیسے استعمال ہونے لگا اس کی توجیہ صاحب لسان یہ پیش کرتے ہیں:

ومعنی الامۃ فی الفرد المنفرد الذی لا نظیر لہ ان قصدہ منفرد من قصد سائر الناس (۹)

چونکہ فرد واحد کا قصد (دین کے معاملے میں) عام لوگوں کے قصد سے مختلف ہوتا ہے اس لئے اسے امت کہتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ فردِ واحد کو اس کے قصد یعنی ارادہ کی بناء پر امت کہا گیا ہے۔ اس کا مدعا و مقصد ایک پوری جماعت کے مقصد کے برابر یعنی قائم مقام ٹھہرا لہٰذا اسے یہ حق ہے کہ وہ اکیلا ہی امت کہلائے۔ یعنی اس اکیلے نے وہ کام کیا جو ایک پوری امت کے کرنے کا تھا۔ امام راغب اصفہانی نے **ابراھیم کان امۃ** (۱۰) کی تفسیر میں لکھا ہے

ای قائماً مقام جماعۃ فی عبادۃ اللہ (۱۱)

''اسکا مطلب ہے کہ فرد واحد اللہ کی عبادت میں جماعت کے قائم مقام ہے۔''

یعنی ایک فرد امت نہیں ہوتا بلکہ ایک پوری امت کے قائم مقام ہونے کی حیثیت سے امت کہلاتا ہے۔ ابن قتیبہ نے لکھا ہے ای: **اماماً یقتدی بہ الناس، ومن اتبعہ امۃ، فسمی امۃ لانہ سنن الاجماع** (۱۲) ''امۃ'' امام اور معلم خیر کے معنی میں ہے فرد واحد اور اسکے متبعین ملکر ایک امت بنتے ہیں اس لئے اسے امت کہہ دیا گیا ہے کیونکہ وہ اجتماع کا سبب ہوتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امت کے اصطلاحی مفہوم میں اس کے لغوی یعنی بنیادی واصلی مفہوم کو قائم رکھا گیا ہے سوائے ایک مقام کے کہ جہاں اصل سے ہٹ کر اسکا استعمال کیا گیا ہے یعنی فرد واحد پر لفظ امت کا اطلاق۔ اس کی مختلف توجیہات بیان کی گئی ہیں جیسے ایک مقصد کی بناء پر، اپنے ایمان وعقیدہ یعنی توحید وحق پرستی کی بناء پر، کسی ایک جماعت کا نمائندہ ہونے کی وجہ سے جیسے معلم یا امام، ایسا شخص جو ایک امت کی تشکیل وتکمیل کا ذریعہ وسبب بنے یا پھر ایسا آدمی جس کی ذات میں اتنی خوبیاں وبھلائیاں جمع ہوجائیں کہ عام حالات میں وہ ایک پوری امت میں ہوسکتی ہیں۔ یعنی جب فردِ واحد میں ان میں سے کوئی ایک وصف پیدا ہوجائے تو وہ اکیلا ہی ایک کے قائم مقام ہوگا۔

امت قرآن کی روشنی میں:

لفظ امت قرآن کریم میں مختلف مقامات پر مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ گروہ یا جماعت کے معنوں میں یہ پچاس سے زائد مقامات پر آیا ہے۔ بیشتر جگہوں پر اس لفظ کا استعمال مومنین کی جماعت کے لئے کیا گیا ہے۔ چند مخصوص مقامات جیسے الاعراف ۳۸، الاحقاف ۱۸، العنکبوت ۱۸، حٰم السجدہ ۲۵ پر گروہ کفار، جھٹلانے والی امتوں اور گروہ خاسرین کے لئے بھی استعمال کیا گیا ہے۔ اسکے علاوہ بعض مقامات پر اسکا استعمال عمومی نوعیت کا حامل ہے جہاں بغیر کسی استثناء کے مختلف امتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے جیسے:

﴿وَقَطَّعْنَاهُمْ فِي الْأَرْضِ أُمَمًا مِّنْهُمُ .... وَبَلَوْنَاهُمْ بِالْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾ (۱۳)

''ہم نے دنیا میں انکی مختلف جماعتیں کر دیں ان میں نیک تھے اور بعض اور طرح کے تھے اور ہم ان کو خوشحالیوں میں بدحالیوں میں آزماتے رہے کہ شاید وہ باز آجائیں۔''

اس کے علاوہ درج ذیل آیات میں یہ لفظ عمومی انداز میں آیا ہے جیسے النساء ۴۱، الاعراف ۳۴، یونس ۴۹، یونس ۴۷، الرعد ۳۰، الحجر ۵، النحل ۵۶، ۸۴، ۸۹، ۹۷، الحج ۳۴، ۶۷، المومنون ۴۳، ۴۴، القصص ۲۳، ۷۵، المومن ۵، الجاثیہ ۲۸۔ از روئے قرآن پوری نوع انسانی دو گروہوں میں منقسم ہے ایک مومن اور دوسرا کافر:

وَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ فَمِنكُمْ كَافِرٌ وَمِنكُم مُّؤْمِنٌ (۱۴)

''اس نے تمہیں پیدا کیا سو تم میں سے بعض کافر ہیں اور بعض مومن''

اس آیت کے مطابق قرآن کریم نے لفظ 'امت' انسانوں کے دونوں گروہوں یعنی مسلمان اور کافر کیلئے استعمال کیا ہے۔ چونکہ امت کا اطلاق ایک عقیدہ اور ایک نظریہ پر متفق لوگوں کی جماعت پر ہوتا ہے لہٰذا کافر بھی ایک عقیدہ کفر پر متفق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہونے کی بناء پر ایک امت ہیں۔ احادیث سے بھی اس بات کی توثیق ہوتی ہے جیسے حدیث لا یتوارث اهل ملتین شتی'(۱۵) مختلف ملتوں والے ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے میں 'ملتین' سے دو ملتیں مراد ہیں اسلام اور کفر۔ جہاں تک مومنین کا تعلق ہے اس گروہ کے لئے قرآن کریم میں بالتخصیص امت کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے إِنَّ هَـٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ (۱۶) "یہ تمہاری امت ہے جو درحقیقت ایک ہی امت ہے اور میں تم سب کا رب ہوں پس تم میری ہی عبادت کرو۔" حتیٰ کہ اس امت کا نام بھی شروع سے ایک ہی چلا آ رہا ہے هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِن قَبْلُ وَفِي هَـٰذَا (۱۷) اس نے تمہارا نام مسلمان رکھا تھا اس سے پہلے بھی اور اب بھی یہی ہے۔

حاصل بحث یہ ہے کہ قرآن کریم لفظ امت کی اصطلاح مختلف معنوں کے ساتھ ساتھ خصوصی طور پر مسلمانوں کی مذہبی جمعیت کے لئے استعمال کرتا ہے۔ یعنی مسلمان ایک قوم ہیں، ایک ایسی قوم جو مذہب کی بنیاد پر وجود میں آئی۔ غور کریں تو مذکورہ بالا تمام مفاہیم اساسی لحاظ سے اسی ایک اجتماعِ انسانی کی طرف لوٹ رہے ہیں جو عرفِ عام میں مسلمان کہلاتے ہیں جیسے قوم، جماعت، مذہب، مذہبی جمعیت وغیرہ۔

امت حدیث کی روشنی میں:

دنیا بھر کے مسلمان خواہ ان کا تعلق کسی بھی نسل و نسب سے ہو، خواہ وہ رنگ و روپ میں کیسے ہی ہوں اور خواہ ان کی زبان کوئی بھی ہو، مگر جب ان کا توحید و رسالت پر ایمان پختہ ہے، تو وہ ایک امت ہیں اور اس کا ہر ہر فرد ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح جڑا ہوا ہے جس طرح تسبیح کے دانے آپس میں قرب و اتصال رکھتے ہیں حدیث کے مطابق:

تری المومنین فی تراحمھم وتوادھم وتعاطفھم کمثل الجسد اذا اشتکی عضواً تداعی له سائر جسده بالسهر والحمی (۱۸)

''مومنوں کی مثال ان کے آپس کی محبت، رحمدلی اور مہربانی میں جسم کی طرح ہے جس کا کوئی عضو بیمار ہوتا ہے تو سارا جسم جاگتا اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔''

اکثر احادیث میں آپ ﷺ امت مسلمہ کی نسبت اپنی طرف کرتے ہیں مثلاً آپ ﷺ نے فرمایا:

لکل نبی دعوة دعوھا، فارید ان اختبیءَ دعوتی شفاعة لامتی یوم القیامة (۱۹)

''ہر نبی کے لئے ایک دعا ہے جو سنی جائے گی پس میں چاہتا ہوں کہ میری وہ دعا قیامت کے دن میری امت کی شفاعت کے لئے پوری ہو۔''

حضور اکرم ﷺ کی امت کو سب امتوں پر فضیلت دی گئی ہے۔ اپنی امت کی فضیلت بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے فرمایانحن الآخرون و نحن السابقون یوم القیامة، ....الیھود غداً والنصاریٰ بعد غدٍ (۲۰) "قیامت کے دن ہم ہی آخری ہوں گے اور ہم ہی سبقت لے جانے والوں میں سے ہوں گے۔ بے شک ہر امت کو ایک کتاب دی گئی ہے ہم سے پہلے اور ہم سے بعد بھی، پس یہ اس دن کے لیے ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے لکھ دیا ہدایت دی اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کے ساتھ، پس لوگ اسکی اتباع کرتے ہیں جن میں یہود کل کریں گے اور نصاری پرسوں۔" ایک اور حدیث میں اپنی امت کی فضیلت یوں بیان فرمائی اعطیت مالم یعط احد من الانبیاء .....نصرت بالرعب و اعطیت مفاتیح الارض وسمیت احمد وجعل التراب لی طھوراًوجعلت امتی خیر الامم (۲۱) "مجھے وہ فضیلتیں بخشی گئی ہیں جو کسی اور نبی کو حاصل نہ تھیں۔۔۔دشمن کے دل میں خوف ڈال کر میری مدد کی گئی، مجھے دنیا کے خزانوں کی کنجیاں دے دی گئیں، میرا نام احمد رکھا گیا، مٹی کو میرے لئے طہارت بنایا گیا اور میری امت کو تمام امتوں میں سے سب سے بہتر امت بنایا گیا۔" ایک اور ارشاد نبوی ﷺ ہے وعدنی ربی سبحانه ان یدخل الجنة من امتی سبعین الفاً لاحساب علیھم ولاعذاب، مع کل الفٍ سبعون الفاً (۲۲) "میرے رب نے میرے ساتھ وعدہ کیا ہے کہ میری امت میں سے ستر ہزار شخص بغیر حساب وکتاب کے جنت میں جائیں گے ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار اور ہونگے۔"

ان احادیث سے ظاہر ہوتا کہ امت سے مراد وہ گروہ انسانی جس کی نسبت کسی نبی کی طرف ہو۔اس سے امت کے تخصیصی مفہوم جس کی رو سے امت سے مراد کسی دینی عقیدہ ونظریہ کی بنیاد پر اجتماع انسانی ہے۔قرآن واحادیث دونوں میں اسی مفہوم کی تائید نظر آتی ہے۔

قوم کا مفہوم:

لغوی مفہوم:

قوم کا لفظ عام طور پر اجتماع انسانی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔قوم کی جمع اقوام ہے۔'لسان العرب' میں لفظ 'قوم' کے درج ذیل معنی تحریر کیے گئے ہیں والقوم :الجماعة من الرجال والنساء جمیعاً (۲۳) القوم: اسم جمع۔ مردوں اور عورتوں کا گروہ۔ابن منظور لکھتے ہیں وقیل: ھو للرجال خاصة دون النساء (۲۴) "اور کہا جاتا ہے کہ اس سے مراد صرف مرد ہیں عورتیں نہیں۔" اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعض اہل لغت کے نزدیک اس لفظ 'قوم' سے مراد صرف مردوں کا گروہ ہے۔ابن منظور اس قول کی تائید میں ارشاد الٰہی سے استشہاد کرتے ہیں جو یہ ہے لا یسخر قوم من قوم.... خیراً منھن (۲۵) نہ مذاق اڑائیں مرد مردوں کا ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں کا ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔اس آیت میں قوم سے صرف مردوں کا گروہ مراد ہے اگر عورتیں اس کے مفہوم میں شامل ہوتیں تو ان کے لئے الگ 'نساء' کا لفظ لانے کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ضرورت نہ تھی۔

امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

قوم: يقال قام يقوم قياماً فهو قائم وجمعة قيام ، واقامه غيره واقام بالمكان اقامة(۲۶)

قوم: کہا جاتا ہے قام یقوم قیام فھو قائم، اس کی جمع قیام ہے۔ اسکا قائم کرنا اسکے غیر کو اور کسی مکان میں اقامت دینا۔

المنجد میں قوم کا مفہوم یہ ہے کہ:

لقوم: الاقامة بالمكان . جمع : اقوام واقاوم واقائم واقاويم: الجماعة من الناس قوم الرجل : اقرباؤه الذين يجتمعون معه في جدٍ واحدٍ (۲۷)

قوم سے مراد کسی جگہ سکونت پذیر (آبادی)، اس کی جمع اقوام اقاوم اور اقاویم ہے۔ انسانوں کی جماعت میں سے مردوں کا گروہ۔ ایک نسل سے تعلق رکھنے والے رشتہ دار۔ 'قاموس مترادفات' کے مطابق قوم کے معنی ہیں ذات۔ فرقہ۔ گروہ۔ نسل۔ جماعت۔ اہل وطن۔ قبیلہ۔ ملت۔ امت۔ نیشن۔ شعب۔ گروہ مردمان (۲۸)

مذکورہ کتب لغات کی رو سے کہا جاسکتا ہے کہ لفظ قوم اپنے لغوی معنی گروہ اور جماعت کی رو سے لفظ امت کا ہم معنی ہے۔ شعب، قبیلہ، نسل، ذات، خاندان، مردوں کی جماعت وغیرہ لفظ قوم کے ایسے معنی ہیں جو لفظ امت کے معنی سے یکسر مختلف وہیں۔ لفظ قوم کا اطلاق بھی اگرچہ انسانوں کی ایک جماعت پر ہوتا ہے لیکن ان افراد میں لسانی، جغرافیائی، نسلی اور عصری اقدار میں سے کسی ایک قدر کا مشترک ہونا ضروری ہے جبکہ لفظ امت ان تمام بندشوں سے آزاد ہے۔

اصطلاحی مفہوم:

مذکورہ بالا تمام (سوائے آخری ایک کے) مفاہیم میں عورت مرد دونوں شامل ہیں۔ ظاہر ہے نہ تو ایک قبیلہ عورت کے بغیر مکمل ہوسکتا ہے نہ وطن اور نہ نسل۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں قوم کا مفہوم یہ ہے کہ "قوم کسی علاقہ یا خطہ میں افراد کا وہ مخصوص گروہ، جو ایک ہی نسل سے متعلق ہو۔ جس کی تہذیبی، تاریخی اور لسانی روایات مشترک ہوں۔ اصلاً یہ اصطلاح اس مفہوم کو ظاہر نہیں کرتی جو انگریزی کے لفظ Nation کا مفہوم ہے۔" (۲۹) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسی ایک قوم کے افراد میں نسلی، تہذیبی، تاریخی یا لسانی اشتراک ہونا ضروری ہے۔

عام طور پر قوم ایک ایسے انسانی گروہ کو کہا جاتا ہے جو طویل المدتی ارتقائی مراحل طے کر کے وجود میں آیا ہو۔ اس کے ارتقاء میں زبان، علاقہ، نسل اور معاشی و معاشرتی اشتراک کے علاوہ نفسیاتی ساخت کا بھی عمل دخل ہوتا ہے۔ اگر چہ ایک قوم کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ارتقائی عمل میں مذکورہ تمام خصوصیات کا اہم کردار ہیں لیکن اگر کسی گروہ میں ان میں سے چند پائی جاتی ہوں تب بھی اس پر لفظ قوم کا اطلاق ہوگا۔اس میں یہ دیکھا جائے گا کہ غالب خصوصیات میں اتحاد واتفاق ہو جزوی اختلاف کو اہمیت نہیں دی جاتی۔

لوگوں کی وہ مشترکہ خصوصیات جن کی بناء پر وہ ایک قوم کہلاتے ہیں اندرونی یا داخلی خصوصیات کہلاتی ہیں۔جبکہ وہ خصوصیات جو ایک قوم کو دوسری قوم سے ممتاز کرتی ہیں بیرونی یا خارجی خصوصیات کہلاتی ہیں۔قوموں کی داخلی خصوصیات کو مترادفات اور خارجی کو متقابلات بھی کہتے ہیں۔مترادفات سے مراد کسی ایک گروہ کا باہمی امور میں اتحاد واتفاق ہے جبکہ متقابلات سے مراد مختلف گروہوں کی وہ نمایاں خصوصیات جو ایک گروہ کو دوسرے سے منفرد و مختلف کرتی ہیں۔مثلاً ایک مسلم ملک کی قوم دوسرے غیر مسلم ملک کی قوم کے مقابلے میں تو مسلم قوم کہلا سکتی ہے۔مگر کسی مسلم ملک کی قوم کے مقابلے میں اسے مذہب کے علاوہ دیگر قومی تقلابات سے پہچاننے کی بھی ضرورت ہے۔تاجکستانی،ازبکستانی،افغانی،ایرانی،عربی یا پاکستانی سب مسلم اقوام ہیں۔لیکن ان کے مابین مختلف ثقافتی اقدار ہی قومیت کی پہچان بنتے ہیں۔یہاں محض اسلام وجہ قومیت قرار نہیں پا سکتا۔یہی حال کسی مسلم ملک کے اندر موجود مختلف قومیتوں کا ہے۔لہٰذا پاکستان میں اسلام کے ساتھ ساتھ یہاں کے شعوب و قبائل یا علاقائی قومیتوں اور لسانی تشخصات کی تحریم کی بھی ضروری ہے۔'اردو قوم' کے مصنف ندیم احمد لکھتے ہیں: میرے نزدیک ایک قوم (Nation) کی یہ تعریف عالمی معیار کے حساب سے کافی معقول اور منطقی ہے کہ قوم انسانوں کا ایک مقابلتاً بڑا مجموعہ ہوتی ہے جو صدیوں کے ارتقاء کے عمل سے گزر کر ایک ایسی اکائی بناتی ہے جس کے ارکان ایک ثقافت،ایک زبان،ایک تاریخ اور باہم خونی رشتہ رکھتے ہیں (جو کہ شادی بیاہ کے باہمی تعلق سے پیدا ہوتا ہے) بعض ماہرین اس میں مذہب اور جغرافیائی حدود کو بھی شامل کرتے ہیں۔(۳۰)

قوم اجتماعی مفادات کے تحفظ کے احساس کے تحت وجود میں آتی ہے چونکہ ایک قومیت کا تعلق خونی رشتے سے ہوتا ہے اور یہ حق پیدائشی ہوتا ہے اس لیے ایک شخص کا تعلق اپنی قوم سے ایسے ہی ہوتا ہے جیسا کہ ایک بیٹے کا باپ سے اور اسے کسی بھی طرح سے ختم نہیں کیا جا سکتا۔یعنی ایک شخص اگر چاہے بھی تو اپنی قومیت چھوڑ نہیں سکتا اور دوسری قومیت کا حصہ نہیں بن سکتا۔ایک انسان اپنا مذہب تو بدل سکتا ہے قومیت نہیں۔مثال کے طور پر یہ ممکن ہے کہ ایک بنگالی اپنا عیسائی مذہب چھوڑ کر ہندو بن جائے۔پھر چند دنوں کے بعد مسلمان ہو جائے،پھر بدھ مت اختیار کر لے اور اس کے بعد لادینیت کا اسیر ہو جائے۔یہ شخص چاہے کوئی بھی مذہب اپناتا پھرے،اپنی بنگالی قومیت تبدیل نہیں کر سکتا۔یہ بنگالی چاہے بھی تو پنجابی یا جرمن یا بہاری نہیں بن سکتا،تاوقتیکہ وہ ان میں شادی بیاہ کے رشتے کے ذریعے گھل مل نہ جائے۔اس طرح اس کی آنے والی نسلیں مطلوبہ قومیت کا حصہ بن سکیں گی۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم چار پانچ قوموں کو کسی بھی بنیاد یا نظریے پر ایک جغرافیائی حدود میں جمع کر کے راتوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رات ایک قوم کی تخلیق نہیں کر سکتے اور نہ ہی انہیں ایک قوم قرار دے سکتے ہیں ایسا سوچنا غیر منطقی اور ایسی کوشش متعلقہ انسانوں کے ساتھ تخریبی عمل ہے۔ ایک جغرافیائی حدود میں مختصر مدت میں مختلف قوموں کے اتحاد سے ہم ایک معاشرہ تو بنا سکتے ہیں مگر ایک قوم نہیں اور اسلام جب مختلف قومیتوں کو ملا کر ایک نظام زندگی کے تحت ایک جماعت بنانے کی بات کرتا ہے تو دراصل وہ ایک معاشرے کی تشکیل کی بات کرر ہا ہوتا ہے۔ قوم کی اصطلاحی تعریفات سے ظاہر ہوتا ہے کہ قوم کے تصور میں لسانی اشتراک کے ساتھ ساتھ تاریخی روایات اور تہذیبی یگانگت باقی تمام عناصر کے مقابلے میں زیادہ قوی ہیں۔ لیکن اس سے بھی زیادہ صحیح تعریف یہ ہے کہ کسی قوم میں غالب خصوصیات میں اتحاد واتفاق ہونا ضروری ہے جزوی اختلاف کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی۔

قوم قرآن کی روشنی میں:

قرآن کریم میں قوم کا لفظ گروہ یا جماعت کیلئے استعمال ہوا ہے۔ ایک وہ عام گروہ اور جماعت جو ایک نسل اور ایک وطن سے تعلق رکھنے والی ہو، دوسری وہ جو ایک نسب یا وطن سے تعلق رکھنے والی جماعت ہو۔ قرآن کریم کی رو سے ہر پیغمبر نے 'قوم' کہہ کر براہ راست مردوں کو خطاب کیا اور بالواسطہ عورتوں کو اور نزولِ عذاب جسطرح نافرمان منکر مردوں پر ہوا اسی طرح عورتوں پر بھی۔ عربی زبان کا قاعدہ ہے کہ جو اسم جمع آدمیوں کی جماعت کیلئے ہو اس کا استعمال بطور تذکیر بھی جائز ہے اور بطور تانیث بھی جیسے: کذب به قومک (۳۱) اور کذبت قبلهم قوم نوح (۳۲) قرآن مجید میں اس لئے قوم مذکر بھی مستعمل ہے اور مونث بھی

قرآن مجید میں قوم کا لفظ لام تعریف (ال) کے بغیر عام لوگوں کے معنی میں اس طرح استعمال ہوتا ہے جس معنی میں انگریزی زبان کا لفظ People استعمال ہوتا ہے جیسے: ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُونَ (۳۳) یہ اس لئے کہ بیشک وہ بے عقل لوگوں کا گروہ ہے۔ اسی طرح قرآن مجید میں یہ اصطلاح عام طور پر ان لوگوں یا گروہوں کے سلسلے میں استعمال ہوتی ہے جو نبی کریمؐ سے پہلے کے انبیاء سے متعلق تھے مثلاً قوم ابراہیم، قوم لوط قوم نوح وغیرہ اور نبی کریمؐ کے ذکر میں بھی استعمال ہوئی ہے جیسے: وَكَذَّبَ بِهِ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَق (۳۴) تیری قوم نے اس (قرآن) کو جھٹلایا حالانکہ وہ حق ہے۔ اس سے مراد انبیائے کرام کی دعوت کے مخاطب لوگ ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے: كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَة .... وَاللَّهُ يَهْدِىْ مَن يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (۳۵) پہلے تو سب لوگ ایک ہی امت تھے لیکن لوگ آپس میں اختلاف کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے بشارت دینے والے اور ڈرانے والے انبیاء بھیجے اور ان پر کتابیں نازل کیں تاکہ جن امور میں لوگ اختلاف کرتے تھے ان میں فیصلہ کر دیں اور اس میں اختلاف بھی انہی لوگوں نے کیا جن کو کتاب دی گئی تھی باجود یکہ ان کے پاس کھلے ہوئے احکام آچکے تھے اور یہ اختلافات انہوں نے صرف آپس کی ضد سے کیا تو جس امر حق میں وہ اختلاف کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اہل ایمان کو اس کی راہ دکھادی اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھا دیتا ہے۔

اس میں واضح الفاظ میں یہ حقیقت بتائی گئی ہے کہ ابتدا میں سب لوگ ایک امت (امت واحدۃ) تھے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ لفظ امت کا اطلاق مشترکہ عقائد ونظریات والے گروہ پر ہوتا ہے۔ جب ان کے عقائد میں فرق آ گیا۔ اب وہ ایک قوم تو رہیں گے ایک امت نہیں کہلا سکتے۔ یعنی آپس میں عقائدی اختلاف رکھنے والے ایک امت نہیں بلکہ قوم کہلائیں گے۔ مختلف اقوام میں انبیاء کی بعثت کا مقصد ہی لوگوں کے نظریاتی اختلاف کو مٹا کر انہیں پھر سے ایک امت بنانا تھا۔ انبیاء کرام کی جد وجہد اور تبلیغ واصلاح کے بعد انسان دوگروہوں میں منقسم ہو گئے۔ ایک وہ جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی ہدایات کو قبول کیا اور انبیاء علیہم السلام کے متبع ہو گئے ان کو مومن کہا جاتا ہے۔ دوسرے وہ جنھوں نے آسمانی ہدایات اور انبیاء علیہم السلام کو جھٹلایا ان کی بات نہ مانی یہ لوگ کافر ہیں۔ اب یہاں سے ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا لفظ امت کا اطلاق صرف ہدایت یافتہ گروہ یعنی مومنین پر ہوتا ہے یا کافروں کو بھی امت کہا جا سکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ صرف مومنین سے متعلق ہوتا تو مذکورہ بالا آیت قرآنی میں صرف امت کہہ دینا ہی کافی ہوتا امت واحدۃ کہنے کی قطعاً ضرورت نہ تھی۔

ان آیات سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ لفظ قوم کا اطلاق ایک ایسے گروہ انسانی پر ہوتا ہے جس میں مومن و کافر دونوں شامل ہیں۔ اگر چہ لفظ امت کا اطلاق بھی ان دونوں گروہوں پر کیا جا سکتا ہے لیکن فرق یہ ہے کہ کسی ایک امت میں ایک ہی عقیدے کے لوگ شامل ہوتے ہیں دوسرے عقیدے کے لوگ دوسری امت کہلائیں گے۔ لیکن ایک قوم کے اندر تمام متفق ومختلف نظریات کے حامل افراد شامل ہوتے ہیں۔ جیسا کہ قوم نوح، قوم عاد وقوم ثمود وغیرہ کہ ان میں مسلمین ومکذبین تمام کے مجموعہ کو قرآن نے لفظ قوم سے مخاطب کیا ہے۔

قوم حدیث کی روشنی میں:

''لسان العرب' میں کہا گیا ہے کہ **وقوم کل رجل: شیعته وعشیرته**(۳۶) ''قوم سے مراد کسی آدمی کے حامی، طرفدار اور رشتہ دار ہیں۔'' اس کا مطلب ہے کہ کسی قوم کا حصہ بننے کے لئے یہ دونوں یا ان میں سے ایک نسبت کا ہونا ضروری ہے۔ آپ ﷺ کو پہلے اپنے رشتہ دار اور اہل قبیلہ کو دعوت دین دینے کا حکم ہوا **وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ** (۳۷) ''اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو (اللہ سے) ڈراؤ۔'' حدیث ہے **ومن تولی قوما بغیر اذن موالیه، فعلیه لعنة الله والملائکة والناس اجمعین**(۳۸) ''جو شخص کسی قوم کے ساتھ اپنے موالی (سرپرستوں) کی اجازت کے بغیر تعلق پیدا کرتا ہے، اس پر اللہ کی، اس کے فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت وارد ہوتی ہے۔'' حضرت شاہ ولی اللہ (۱۱۷۶ھ) فرماتے ہیں کہ:

''اس امام کیلئے جو مختلف قوموں کو ایک فکر پر جمع کرے چند اصول کا رضروری ہونگے ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ پہلے ایک قوم کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

راہِ راست کی طرف بلائے گا اوراسی کے اخلاق کو ٹھیک کر کے انکی حالت کی اصلاح کریگا۔ پھر اسے اپنی تحریک کی اشاعت کیلئے آلہ کار بنائے گا اوراس کی مدد سے دنیا کی دوسری قوموں سے جہاد کریگا۔ وہ اپنے (قومی) ساتھیوں کو دنیا کی مختلف قوموں میں بکھیر دیگا۔'' (۳۹) شاہ صاحب آپ ﷺ کی تشکیل جماعت کے بارے میں لکھتے ہیں'' آپ ﷺ کی ابتدائی جماعت جو کہ مہاجرین وانصار پر مشتمل تھی اصل میں یہی جماعت قریش اور انکے اردگرد کے قبیلوں کے اسلام لانے کا باعث بنی۔ پھر قریش اور یہ لوگ عراق اور شام کی فتح کا ذریعہ بنے۔ پھر قریش اور عراق وشام کے لوگ فارس اور روم کی فتح کا وسیلہ بنے۔ اوران کے ذریعے سے ہند، ترکستان اور سوڈان کے علاقے فتح ہوئے۔'' (۴۰)

آپ ﷺ کی نبوت کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ ملت حنیفیہ ابراہیمیہ پر تمام اقوام عالم کو جمع کرینگے۔ کیونکہ انسان کی نوعی ترقی کا یہی راستہ ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس دعاء 'الفاتحہ' میں اپنے آپ کو ''رب العلمین'' کی حیثیت سے شناخت کرایا ہے۔ اس تمہیدی دعا کے بعد سورۃ بقرہ وغیرہ باقی قرآن حکیم میں تمام اقوام عالم کے لیے بنیادی دستور حیات دیا گیا ہے جس پر انہیں جمع کیا جائے گا۔ یہ سورۃ قرآن حکیم کا مقدمہ ہے۔ اس میں نبی اکرم ﷺ کی دعوت کی عالمی حیثیت کی طرف اشارہ ظاہر کرتا ہے کہ آپ کی نبوت کا یہ درجہ ہی آپ ﷺ کی بعثت کا اصل مقصد ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی (۱۱۷۶ھ) فرماتے ہیں:

الانبیاء قبل النبی ﷺ کانوا یبعثون الیٰ اقوامھم خاصۃ وبعث نبینا ﷺ کافۃالناس (۴۱)

آپ ﷺ سے پہلے کے انبیاء خاص اپنی اقوام کی طرف آئے جبکہ آپ ﷺ تمام انسانوں کے لئے بھیجے گئے۔ یہی وجہ ہے کہ میثاق مدینہ میں مدینہ کے تمام باشندوں کے لیے ایک قوم کا لفظ استعمال ہوا تھا۔ اس میں قوم کو مذہب کے خانوں میں تقسیم نہیں کیا گیا تھا۔ مسلمانوں نے اپنے پورے دور عروج میں ساری امت کو جسدِ واحد ہی سمجھا۔ لہذا ہندوستان میں ایک مسلمان عورت کی فریاد جب عراق کے گورنر حجاج بن یوسف تک پہنچی تو اس کی دادرسی کے لئے محمد بن قاسم کو بھیجا۔ جس نے سارے سندھ پر اسلام کا پرچم لہرادیا۔

انبیاء کا تصور امت وقوم:

پہلے انسان اللہ کے پہلے نبی اور ہدایت یافتہ پیغمبر حضرت آدم علیہ السلام تھے۔ انہوں نے اپنی اولاد کی تربیت اللہ تعالیٰ کے احکام کے تابع رہ کر فرمائی۔ انہیں مرضیات وغیر مرضیات کا پورا نظام سمجھایا۔ آپ کے بعد ایک طویل عرصے تک نسل انسانی ہدایت پر ہی رہی اور مرضیاتِ الٰہی کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالتے رہے۔ یہ نیکی اور راستبازی کا دور کب تک رہا؟ اور کب انسانیت راہ راست سے گمراہی کے اندھیروں میں بھٹک گئی؟ اس بارے میں مختلف اقوال ونظریات ملتے ہیں۔ اس بارے میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا مودودی (۱۹۷۹ء) اپنے خیالات کا ان الفاظ میں اظہار کرتے ہیں ''اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے جس انسان کو پیدا کیا تھا اس کو بتا دیا تھا کہ حقیقت کیا ہے، تیرے لئے صحیح راستہ کونسا ہے اس کے بعد ایک مدت تک نسل آدم راہ راست پر قائم رہی اور ایک امت بنی رہی۔ پھر لوگوں نے نئے راستے نکالے اور مختلف طریقے ایجاد کر لیے اس وجہ سے نہیں کہ ان کو حقیقت نہیں بتائی گئی تھی بلکہ اس وجہ سے کہ حق کو جاننے کے باوجود بعض لوگ اپنے جائز حق سے بڑھ کر امتیازات فوائد اور منافع حاصل کرنا چاہتے تھے اور آپس میں ایک دوسرے پر ظلم، سرکشی اور زیادتی کرنے کے خواہشمند تھے۔ اسی خرابی کو دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کو مبعوث کرنا شروع کیا۔ یہ انبیاء اس لیے نہیں بھیجے گئے تھے کہ ہر ایک اپنے نام سے ایک نئے مذہب کی بنا ڈالے اور اپنی ایک نئی امت بنالے بلکہ ان کے بھیجے جانے کی غرض یہ تھی کہ لوگوں کے سامنے اس کھوئی ہوئی راہ حق کو واضح کر کے انہیں پھر سے ایک امت بنا دیں۔'' (۴۲)

مولانا کے اس بیان کے مطابق انسانیت کی ابتدا ہدایت سے ہوئی۔ لیکن جب یہ راہ راست پر قائم نہ رہے تو اللہ نے یکے بعد دیگرے متعدد انبیاء بھیجے جن کا مقصد لوگوں کو دوبارہ ہدایت پر جمع کر کے ایک گروہ یعنی ایک امت بنانا تھا۔ تمام انبیاء کے نزدیک بھی امت کا یہی مفہوم مراد تھا۔ کتاب مقدس میں ہے ''اور اسی روز خداوند نے ابراہیم سے عہد کیا اور فرمایا کہ یہ ملک دریائے مصر سے لے کر اس بڑے دریا یعنی دریائے فرات تک، میں نے تیری اولاد کو دیا۔'' (۴۳) ''دیکھ میرا عہد تیرے ساتھ ہے اور تو بہت قوموں کا باپ ہوگا اور تیرا نام پھر انجام نہیں کہلائے گا بلکہ تیرا نام ابراہام ہوگا کیونکہ میں نے تجھے بہت قوموں کا باپ ٹھہرا دیا ہے۔ اور میں تجھے بہت برومند کروں گا اور تو میں تیری نسل سے ہوں گی اور بادشاہ تیری اولاد میں سے برپا ہوں گے اور میں اپنے اور تیرے درمیان اور تیرے بعد تیری نسل کے درمیان ان کی سب پشتوں کے لیے اپنا عہد جو ابدی عہد ہوگا باندھوں گا تاکہ میں تیرا اور تیرے بعد تیری نسل کا خدا ہوں اور میں تجھ کو اور تیرے بعد تیری نسل کو کنعان کا تمام ملک جس میں تو پردیسی ہے ایسا دوں گا کہ وہ دائمی ملکیت ہو جائے۔'' (۴۴)

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کا یہ عہد تھا کہ وہ اس کی نسل کو مصر سے لے کر دریائے فرات تک کا علاقہ دے گا عہد میں یہ ذکر بھی ہے کہ اسحاق کی نسل ستاروں کی طرح بکثرت ہوگی اور یعقوب کی نسل زمین کے ذروں کی مانند ہوگی مگر چار ہزار سال کا عرصہ گزر چکا ہے، ان دونوں کی نسلیں ستاروں اور زمین کے ذروں کی طرح بکثرت نہیں ہوئی۔ چار ہزار سال گزرنے کے باوجود، یہ وعدہ الٰہی پورا نہیں ہوا، خدا کا وعدہ ہو اور معاذ اللہ وہ پورا نہ ہو ایسا ممکن نہیں۔ اس عہد کی تکمیل کے لئے اور آل ابراہیم کو ملتِ ابراہیم بنانے کی غرض سے بنی اسرائیل میں کئی انبیاء بھیجے۔ انہوں نے انہیں دین و شریعت کے اصل مفہوم و معنی سے روشناس کرانے اور انہیں امت مسلمہ اور امت واحدہ بنانے کی سعی و جدوجہد کی۔ حضرت موسیٰؑ کا دور امت کی تشکیل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جدید کا دور کہا جا سکتا ہے جس میں شریعت کا اجراء لازمی بات ہے۔ اس مقصد کے لئے جب حضرت موسیٰ کی قیادت میں تمام بنی اسرائیلیوں کو جبل طور بلایا گیا تو ان نافرمانوں نے الٰہی احکام قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ شریعت کا نفاذ نہ ہونے کے باعث یہ قوم شرعی استحکام سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محروم ہوگئی۔ لہٰذا اب یہ ایک انتہائی مفاد پرست گروہ انسانی کی حیثیت سے تو اس دنیا میں باقی ہے لیکن امت مسلمہ والی شرعی اصطلاح کا استحقاق کھو چکی ہے۔

غور کریں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے یہ عہد کیا تھا کہ وہ اسے بہت قوموں کا باپ بنائے گا اور اسکی نسل سے بہت سی قومیں نکلیں گی جن سے بادشاہ ہوں گے۔ یہ باتیں بھی بنی اسرائیل کی نسبت پوری نہیں ہوئی نہ ہی قوموں میں انہیں کثرت حاصل ہوئی ہے اور نہ ہی چند گنتی کے بادشاہوں کے علاوہ ان میں کوئی بادشاہ ہوئے ہیں۔ لیکن یہ تمام عہد ابراہیم علیہ السلام کے بعد عربوں کی نسبت پورا ہو گیا ہے۔ فلسطین، مصر، عراق علاقوں کے مالک ہوئے، یہاں تک کہ وہ یورپ اور مغرب میں بحر اطلس اور مشرق میں چین تک پہنچے اور اسلامی حکومت کو اسقدر وسعت ہوئی کہ براعظم اس کے زیرنگیں ہو گئے۔ اگر بنی اسماعیل کو اس عہد سے خارج کر دیا جائے تو تمام وعدہ الٰہی باطل قرار پاتا ہے اور اس بات سے خدا کی پناہ کہ وعدہ الٰہی جھوٹا ثابت ہوا۔ یہ وعدہ ابراہیم علیہ السلام کی اس نسل کے ذریعہ پورا ہوا جو اسمٰعیل علیہ السلام سے ہوئی۔ مسلمان خواہ کسی باپ کی اولاد ہوں وہ ابراہیم کے فرزند ہیں جیسے کہ ارشادِ الٰہی ہے: وَقَالُواْ كُونُواْ هُوداً أَوْ نَصَارَى..... الْمُشْرِكِينَ (۴۵) اور وہ کہتے ہیں کہ یہودی بنا جاؤ یا نصرانی تو تم ہدایت پا جاؤ گے کہہ دو کہ ابراہیم کی ملت ہی یکسو ہے اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے۔ نسلی برتری و تفاخر کے جذبے نے مسلم اور بنی اسرائیلی گروہ کو ایسا یہودی بنایا کہ یہ پھر کبھی ملت اسلام میں واپس نہ آ سکا۔ بعثت نبوی ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں ملت ابراہیمی کی طرف لوٹانے کا آخری موقع تھا جو ان بدبختوں نے اپنی ہٹ دھرمی اور جھوٹی انا پرستی میں گنوا دیا۔ جس نسل میں انبیاء کا ایک طویل سلسلہ جاری رہا رحمت خداوندی سے ایسا محروم ہوا کہ اب احادیث کے مطابق اس میں محض دجال مردود کا ظہور باقی ہے۔ قرآن نے سچ کہا ہے کہ: وَمَن لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُوراً فَمَا لَهُ مِن نُّورٍ (۴۶) ''جسے اللہ روشنی سے محروم کر دے اسے کہیں بھی روشنی نہیں مل سکتی۔''

حضرت عیسیٰ کی دعوت حقیقت میں صرف اور صرف بنی اسرائیل کے لئے تھی۔ قرآن حضرت عیسیٰ کے وصف میں

کہتا ہے کہ: وَرَسُولاً إِلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنِّي قَدْ جِئْتُكُم بِآيَةٍ ..... طَيْراً بِإِذْنِ اللّهِ (۴۷) اور بنی اسرائیل کی طرف بھیجا گیا ہوں بے شک میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے واضح نشانیاں لے کر آیا ہوں میں مٹی سے پرندوں کی مانند بناتا ہوں پھر ان میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے پرندے بن جاتے ہیں۔ اسی لئے آپ نے اپنی دعوت دین کو بھی صرف اسی گروہ تک محدود رکھا متداول انجیلوں میں ہے کہ حضرت عیسیٰ نے فرمایا'' میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔''(۴۸) اس لیے مسیحیت نے امت کا وہ تصور پیش نہیں کیا جس میں متعدد اقوام شامل ہوں۔ اس کے برخلاف عملی پہلو سے وہ مخصوص حالات کے نتیجے میں بلا ارادہ اپنے دائرہ سے باہر نکلی اور متعدد قوموں نے اسے قبول کیا لیکن وہ انہیں اپنی ایک امت کے تحت جمع کرنے پر قادر نہ ہو سکی اس لئے کہ ایسا کرنا اسکے مقاصد میں شامل نہ تھا۔ جناب یسوع مسیح کی تعلیمات خود منہ سے بولتی ہیں کہ وہ نہ ساری دنیا کے لیے پیام ہدایت کی حیثیت رکھتی ہیں نہ ہر دور اور ہر زمانے کے لیے رہنمائی کا سامان مہیا کرتی ہیں۔ جہاں تک بنیادی تعلیمات اور پیغام کا تعلق ہے جناب یسوعؑ کا دین اسلام سے مختلف کوئی دین نہیں تھا لیکن اس میں زندگی کے ہر شعبہ اور ہر پہلو ہر دور اور ہر زمانے اور روئے زمین کے ہر حصہ کے لیے جامع ہدایت اور رہنمائی موجود نہیں ہے۔ اس کے برخلاف اسلام میں امت ابتدا ہی سے قومی مفہوم سے الگ اور ممتاز رہی۔ اسلامی فتوحات کے بعد بہت سی غیر عرب قوموں نے اسلام قبول کیا اور اسی سانچے میں ڈھل کر ایک امت بن گئیں۔ اس لیے دینی امت کے عناصر اور اجزائے ترکیبی تلاش کرنے کی ضرورت ہی نہ رہی کیونکہ اسلامی عقیدہ اور اقدار نے انہیں اس سے بے نیاز کر دیا تھا۔

امت کی حدود و دائرہ کار:

لفظ 'امت' کے معنی جماعت، زمانہ اور دین وملت ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جہاں کتاب اللہ میں مؤخر الذکر دونوں معنی کے لیے یہ لفظ لایا گیا ہے وہاں پر بھی مراد پہلا معنی ہی تھا جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے کہ وَلَئِنْ أَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ إِلَى أُمَّةٍ مَّعْدُودَةٍ (۴۹) " اور اگر ہم خاص مدت تک انکی سزا کو ٹالتے ہیں۔'' لہٰذا ہم لفظ 'امت' کے معروف اور مروجہ معنی ''جماعت'' کے پس منظر میں اسکی حدود اور دائرہ کار کا جائزہ لیتے ہیں۔ 'جماعت' کے معنی میں بھی لفظ 'امت' متعدد انواع واجناس اور گروہوں کے لیے کلام اللہ میں آیا ہے۔ ان جاندارں میں سے بعض ایسے ہیں جو جالے بنتے ہیں جیسے مکڑی، بعض ذخیرہ اندوزی کرتی ہیں جیسے چیونٹی، بعض ایک وقت کی روٹی پر اکتفا کرتی ہیں جیسے گوریا اور فاختہ وغیرہ ہر صنف تلاش رزق بلاکت کی جگہوں سے احتراز اور وسائل کی تلاش میں بنی آدم کے مثل ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُم (۵۰) اور نہیں کوئی زمین پر چلنے والا اور کوئی پرندہ اپنے پروں پر اڑنے والا مگر یہ کہ ایک جیسی امتیں ہیں۔ اس آیت کی تفسیر میں حضرت قتادہ کی روایت ہے کہ الطیر امة، ولانس امة، والجن امة (۵۱) "پرندے ایک امت ہیں اور انسان ایک امت ہیں اور جن بھی ایک امت ہیں۔'' صاحب لسان اس حوالے سے لکھتے ہیں ان الله خلقهم وتعبدهم بماشاء ان يتعبدهم من تسبيح وعبادة علمها منهم ولم يفقهنا ذلك (۵۲) "اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا ہے اور انکے لیے تسبیح وعبادت کا ایک مخصوص طریقہ متعین کیا ہے جو ہمیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معلوم نہیں ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کی نظر میں اسکی تمام مخلوقات ایک گروہ یا ایک جماعت کی مانند ہیں وہ اپنی جماعت کی کس نوع سے غافل نہیں ہے۔

کلام اللہ میں لفظ امت زیادہ تر نوع انسان کے لیے لایا گیا ہے لیکن چونکہ اس نوع کے اندر فکر اور ذہنیت کے لحاظ سے اختلاف موجود ہے۔ اس لحاظ سے انسانوں کے اندر کئی گروہ اور جماعتیں بن چکی ہیں لہٰذا وحی الٰہی میں جو خاص طور پر نوع انسان سے مخاطب ہے عمومی لحاظ سے تمام انسانوں سے خطاب کے بعد خصوصی طور پر ہر مکتبہ فکر سے بھی مخاطب کیا گیا ہے۔ لیکن اس تمام خطاب میں خاص بات یہ ہے کہ ہر گروہ اور مکتبہ فکر سے اندازِ گفتگو ایک ہی ہے یعنی سب کو ایک ہی لفظ امت سے پکارا گیا ہے ارشاد الٰہی ہے وَإِذ قَالَتُ أُمَّةٌ مِّنهُم (۵۳) ''اور جب ان میں ایک جماعت نے کہا'' اس میں چونکہ خطاب بنی اسرائیل سے ہو رہا ہے لہٰذا امت سے مراد بنی اسرائیل کی ہی ایک جماعت ہے۔ انسانی جماعت کی مزید تخصیص کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿كُنتُم خَيرَ أُمَّةٍ أُخرِجَتُ لِلنَّاسِ تَأمُرُونَ بِالمَعرُوفِ وَتَنهَونَ عَنِ المُنكَرِ وَتُؤمِنُونَ بِاللّٰهِ﴾(۵۴)

''تم ایک بہترین امت ہو جو لوگوں کو نیک کام کا حکم کرنے اور برے کام سے روکنے کے لیے بنائی گئی ہو۔''

اس میں انبیاء کی دعوت قبول کرنے والے گروہوں میں سے ایک خاص جماعت یعنی آخری نبی کے پیروکار مراد ہیں جنہیں سلسلہ نبوت کے اختتام پذیر ہونے کے بعد آئندہ آنے والے انسانوں کی ہدایت کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ اس گروہ کے اندر بھی اللہ تعالیٰ نے مزید تخصیص فرمائی ہے وَلتَكُن مِّنكُم أُمَّةٌ يَدعُونَ إِلَى الخَيرِ وَيَأمُرُونَ بِالمَعرُوفِ وَيَنهَونَ عَنِ المُنكَرِ (۵۵) ''اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے، اچھے کام کا حکم دے اور برے کام سے روکے۔'' اس آیت میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے مخاطب ہیں کہ اے مسلمانو، اے آخری نبی کی امت تمہارے اندر ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے جس کا کام ہی صرف نیکی (معروفات) کو پروان چڑھانا اور برائی (منکرات) کے مواقع کا سدِ باب ہو۔ یعنی مسلمانوں میں سے کچھ لوگ دنیاوی امور سے ہٹ کر خود کو صرف اس مقصد کے لیے وقف کر دیں۔ اس گروہ کا صرف یہ کام ہو کہ وہ لوگوں کی اصلاح کرے۔

قرآن کریم میں ایک مقام ایسا بھی ہے جہاں فرد واحد کو امت کہا گیا ہے ارشاد الٰہی ہے إِنَّ إِبرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتاً لِّلّٰهِ حَنِيفاً وَلَم يَكُ مِنَ المُشرِكِينَ (۵۶) ''واقعہ یہ ہے کہ ابراہیم ایک امت تھے اللہ کا مطیع فرمان اور یکسو وہ کبھی مشرک نہ تھے'' تنہا ایک شخص حضرت ابراہیم کو پوری ایک جماعت کہنے کی مصلحت یہ ہے کہ ان کی ذات میں وہ تمام خصوصیات وصفات مجتمع تھیں جو ایک جماعت میں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً: وفاء۔ النجم ۳۷، شکر۔ النحل ۲۱، ایمان۔ الصافات ۱۱۱، اسلام۔ آل عمران ۶۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الصافات ۱۳، حنیفیت ۔ النحل ۱۲ آل عمران ۶ ۷، قنوت ۔ النحل ۲۱ ، اجتباء ۔ النحل ۲۱، ادابیت ۔ ھود ۵ ۷، افابت ۔ ھود ۵ ۷، بر کت ۔ الصافات ۱۱۳، اصطفاء ۔ البقرہ ۱۳، حلم ۔ ھود ۵ ۷، پر ۔ ص ۴۵، صبر ۔ ص ۵ ۷، نبوت ۔ المریم ۴۱، رسالت ۔ النساء ۵۴، رسالت ۔ النساء ۱۲۵ ، سلامتہ قلب ۔ الصا فات ۸۴، صدیقیت ۔ المریم ۴۱ ،ثنا ربانی ۔ المریم ۴۱ ، حجت ۔ الانعام ۸۳، صلاح ۔ البقرۃ ۱۳۰، رشد ۔ الانبیاء ۵۱، احسان ۔ الصافات ۱۵، حکمت ۔ النساء ۵۴، امام ۔ البقرہ ۱۲۴

قوم کی حدود و دائرہ کار:

قوم کا لفظ ہر دور میں 'جماعت' کے معنوں میں استعمال ہوتا رہا ہے۔ اس کی حدود اور دائرہ کار کو سمجھنے کے لیے پہلے ہمیں اس بات کو سمجھنا ہوگا کہ قوم کی اصطلاحی و منطقی تعریف کیا ہے؟ اس کے تخلیقی و تشکیلی عناصر کون سے ہیں؟ ان میں سے کون سے عناصر اولیت رکھتے ہیں اور کون سے ثانوی نوعیت کے ہیں؟ یعنی اس کی حدود کا تعین تب ہی ہوسکتا ہے جب ہم اسکے آغاز و ارتقاء اور اسکے پیچھے کارفرما قوتوں کو جان لیں۔ اس مقصد کے لیے ہم لفظ 'قوم' کا پہلے قرآن کی رو سے اور پھر عصر حاضر کے تناظر میں جائزہ لیتے ہیں۔

قرآن کریم میں عام طور پر یہ اصطلاح انبیاء کی اقوام کیلئے آئی ہے۔ جس سے مراد انبیاء کی دعوت کے مخاطبین ہیں۔ اسی مفہوم کی بنیاد پر گذشتہ اقوام برپا ہوئی تھیں۔ اس حوالے سے مولانا عبیداللہ سندھی لکھتے ہیں ''ہر ایک قوم کی ہدایت کے لیے مختلف درجوں کے رہنمایان انسانیت پیدا ہوتے رہے اور انسانیت آگے بڑھی۔ اب تمام اقوام ملکر رفتہ رفتہ ایک بننا چاہتی ہیں لیکن وہ اس وقت دو بڑے حصوں میں بٹی ہوئی ہیں (۱) مشرقی بلاک (۲) مغربی بلاک۔ قرآن حکیم کے نزول کے وقت بھی کم و بیش یہی حالت تھی۔ وہ ان دونوں کیمپوں کو ملانا چاہتا ہے۔ شرق و غرب کے اس اجتماع کیلئے کتاب عظیم کام دے گی۔ اس لئے یہ کتاب اللہ تعالیٰ کا تعارف رب اللعالمین کی حیثیت سے کراتی ہے یعنی سب قوموں کو ملا کر انسانیت کو ترقی دینے والا۔ (۵۷)

ایک قوم کی بنیادی اکائیوں میں اتحاد عقیدہ، مذہب، نسل، رنگ، زبان، علاقہ، تہذیب و ثقافت، تاریخ و نفسیاتی ساخت اہم ترین ہیں۔ اسلام مسلمانوں کو محض ایک علاقے تک محدود رہنے کی اجازت نہیں دیتا بلکہ علاقائی اور وطنی حدود سے نکل کر پوری دنیا میں کلمہ توحید بلند کرنے اور پرچم اسلام لہرانے کا حکم دیتا ہے۔ دنیا اللہ کی پیدا کردہ ہے ارشاد الٰہی ہے اِنَّ الْأَرْضَ لِلّٰهِ يُورِثُهَا مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ (۵۸) ''زمین اللہ کی ہے اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اسکا وارث بنا دیتا ہے۔'' ایک قوم کی تخلیق صدیوں پر محیط ارتقائی عمل ہے جس میں زبان براہ راست کردار ادا کرتی ہے۔ شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں

''اعلم ان للعباد افعالاً یرضی لاجلها رب العلمین .... بتعلق الرضا و السخط بتلک الافعال''. (۵۹)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''واضح ہو کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم میں رسول بھیجتا ہے تو پیغمبر اپنی اپنی زبان میں لوگوں کیلئے اس مذہب کو قائم کرتا ہے پس وہ نبی اس مذہب میں کسی قسم کی کجی باقی نہیں رکھتا۔'' اسکی نظیر یہ قول الٰہی ہے إِنَّا أَنزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ (۶۰) ہم نے قرآن عربی زبان میں نازل کیا ہے کہ شائد تم اس کو سمجھ لو۔ شاہ صاحب نے آپ ﷺ کی بعثت کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک بعثت تو یہ ہے کہ آپ ﷺ بنی اسماعیل کی طرف مبعوث ہوئے۔ اس بعثت کے لیے ضروری ہے کہ شریعت محمدیہ ﷺ کا مادہ وہی شعائر ہوں وہی عبادات کے طریقے ہوں اور وہی انتظامی امور ہوں جو بنی اسماعیل کے پاس موجود تھے۔ اسلئے کہ شریعت لوگوں کے امور متعارف کی اصلاح کیا کرتی ہے نہ کہ ان کو ایسے امور کا مکلّف کرے جن کو وہ نہ جانتے ہوں۔ جبکہ حضور پاک ﷺ کی دوسری بعثت یہ ہے کہ آپ ﷺ تمام اہل زمین کے لئے پیغمبر ہیں۔ اس بعثت میں وہ علوم اور تدابیر بھی مندرج ہیں جو تمدن سے متعلق ہیں۔ اسی وجہ سے خدا تعالیٰ نے آپ ﷺ کے زمانہ میں تمام قوموں پر لعنت کی اور انکی سلطنت کے زوال کو مقدر کیا جیسا کہ عجم اور روم کے ساتھ ہوا۔ (۶۱)

عام طور پر قوم ایک ایسے انسانی گروہ کو کہا جاتا ہے جو طویل المدتی ارتقائی مراحل طے کر کے وجود میں آیا ہو۔ اس کے ارتقاء میں زبان، علاقہ، نسل اور معاشی و معاشرتی اشتراک کے علاوہ نفسیاتی ساخت کا بھی عمل دخل ہوتا ہے۔ اگرچہ ایک قوم کے ارتقائی عمل میں مذکورہ تمام خصوصیات کا اہم کردار ہیں لیکن اگر کسی گروہ میں ان میں سے چند پائی جاتی ہوں تب بھی اس پر لفظ قوم کا اطلاق ہوگا۔ اس میں یہ دیکھا جائے گا کہ غالب خصوصیات میں اتحاد و اتفاق ہو جزوی اختلاف کو اہمیت نہیں دی جاتی۔

'اردو قوم' کے مصنف ندیم احمد لکھتے ہیں ''میرے نزدیک ایک قوم (Nation) کی یہ تعریف عالمی معیار کے حساب سے کافی معقول اور منطقی ہے کہ قوم انسانوں کا ایک مقابلتاً بڑا مجموعہ ہوتی ہے جو صدیوں کے ارتقاء کے عمل سے گزر کر ایک ایسی اکائی بناتی ہے جس کے ارکان ایک ثقافت، ایک زبان، ایک تاریخ اور باہم خونی رشتہ رکھتے ہیں (جو کہ شادی بیاہ کے باہمی تعلق سے پیدا ہوتا ہے) بعض ماہرین اس میں مذہب اور جغرافیائی حدود کو بھی شامل کرتے ہیں۔'' (۶۲)

قوم ایک زبان اور خونی رشتے سے بنتی ہے۔ ہر قوم کا اپنا ایک تشخص، ثقافت، تاریخ اور رابطے کی زبان ہوتی ہے۔ قومیت ایک پائیدار اور مستقل بنیادوں پر قائم رہنے والی حقیقت ہے۔ قومیں نہ ایک دن میں بنتی ہیں نہ ایک دن میں بگڑتی ہیں۔ صدیوں کی مسافت اور بے پناہ توانائیاں ایک قوم کی تخلیق اور ارتقاء کے اجزائے ترکیبی میں سے ہیں۔ قوموں کے ارتقاء اور ترقی میں جغرافیائی حدود کی حیثیت ثانوی ہوتی ہے۔ سرحدیں بنتی ہیں اور بگڑتی ہیں، ممالک وجود میں آتے ہیں اور اپنی مدت پوری کر کے بکھر جاتے ہیں۔ مگر قومیں اپنے تشخص کے ساتھ زندہ رہتی ہیں۔ دین یا مذہب اور جغرافیہ وغیرہ بیشک ایک قوم کی شکل و صورت، تشخص اور مزاج وضع کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں مگر قوموں کی تخلیق میں بنیادی اور براہ راست کردار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زبان ہی ادا کرتی ہے۔

خلاصہ کلام:

بنیادی طور پر پوری نوع انسانی دو گروہوں میں منقسم ہے ایک مومن اور دوسرا کافر۔ لفظ 'امت' انسانوں کے دونوں گروہوں (مسلمان اور کافر) کیلئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ چونکہ امت کا اطلاق ایک عقیدہ اور ایک نظریہ پر متفق لوگوں کی جماعت پر ہوتا ہے لہٰذا کافر بھی ایک عقیدہ کفر پر متفق ہونے کی بناء پر ایک امت ہیں۔ امت کے افراد کے روابط باہمی صرف عقیدہ کی بنیاد پر قائم ہوتے ہیں دوسرے اعتبارات جیسے نسل ونسب، رنگ وزبان ان کی کوئی اہمیت نہیں تھی بلکہ محض اتحادِ ایمان و عقیدہ ہی امت کی بنیاد تھی۔ جہاں تک لفظ قوم کا تعلق ہے تو اس کا اطلاق اس گروہ انسانی پر ہوتا ہے جس میں ان دونوں قسم کے نظریات کے حامل افراد شامل ہوتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر قوموں کے تذکرے میں اس طرح کے الفاظ لائے گئے ہیں کہ قوم نوح، قوم صالح، قوم ھود، قوم موسیٰ، قوم عیسیٰ وغیرہ۔ قوم الفاسقین، قوم الجاہلین، قوم الصالحین جیسے الفاظ بھی آئے ہیں۔ نوع انسانی کے وہ تمام افراد جنہوں نے اسلام قبول کیا وہ ایک خاص گروہ ہیں جسے قرآن کریم میں امت مسلمہ کے نام سے مخاطب کیا گیا ہے۔ یہ امت زمان ومکان سے ان معنوں میں ماوراء ہوتی ہے کہ وقت کے کسی بھی لمحے میں خواہ وہ ماضی ہو، حال ہو، مستقبل کوئی شخص بھی اسلام قبول کر لیتا ہے اور اعمال صالحہ انجام دیتا ہے تو وہ اس امت کا فرد شمار ہوتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حواشی وحوالہ جات

۱۔ ابن منظور، جمال الدین، ابوالفضل، علامہ، لسان العرب (دارالفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع دار صادر بیروت، طبع ہفتم، سن اشاعت ۱۹۹۷ء/۱۴۱۷ھ) ج ۱۲، ص ۲۷،

۲۔ نعمانی، عبدالرشید، محمد، مولانا، لغات القرآن (رفیق ندوی المصنفین اردو بازار جامع مسجد دہلی) ج ا، ص ۶۴۰

۳۔ سرہندی، وارث، مولانا، قاموس مترادفات (اردو سائنس بورڈ ۲۹۹ اپر مال لاہور، طبع اول، سن اشاعت ۱۹۸۶ء/۱۴۰۶ھ) ص ۱۴۱ تا ۱۴۳

۴۔ نورالحسن، مولوی، مرحوم، نوراللغات (نیاز احمد پبلشرز، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، سن اشاعت ۱۹۸۹ء/۱۴۰۹ھ) ج ۳، ص ۳۷۵

۵۔ طبری، محمد بن جریر، ابوجعفر، جامع البیان، (دارالفکر بیروت، سن اشاعت ۱۹۷۸ء/۱۳۹۸ھ) ج ۲، ص ۱۹۵

۶۔ حوالہ سابقہ

۷۔ ابن قتیبہ، عبداللہ بن مسلم، ابو محمد، تاویل مشکل القرآن (مکتبہ ابن قتیبہ دار احیاء الکتب العربیۃ، سن اشاعت ۱۹۵۴ء/۱۳۷۳ھ) ص ۳۴۶

۸۔ ابن منظور، لسان العرب، ج ۱۲، ص ۲۷

۹۔ حوالہ سابقہ

۱۰۔ القرآن: ۱۲:۱۶

۱۱۔ راغب اصفہانی، معجم مفرداتِ الفاظ القرآن، ص ۱۹

۱۲۔ ابن قتیبہ، تاویل مشکل القرآن، ص ۴۴۵

۱۳۔ القرآن: ۱۶۸:۷

۱۴۔ القرآن: ۶۴:۳

۱۵۔ ابو داؤد، سلیمان بن اشعث بن اسحاق، امام، سنن، کتاب الفرائض (دار السلام الریاض، طبع دوم، سن اشاعت ۲۰۰۰ء/۱۴۲۰ھ) المعجم ۱۰، حدیث ۲۹۱۱

۱۶۔ القرآن: ۹۲:۲۱

۱۷۔ القرآن: ۷۸:۲۲

۱۸۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، ابو عبداللہ، امام، الجامع الصحیح، کتاب الادب (دارلسلام الریاض، طبع دوم، سن اشاعت ۲۰۰۰ء/۱۴۲۰ھ) باب ۲۷، حدیث ۶۰۱۱

۱۹۔ مسلم، مسلم بن حجاج، ابوالحسین، امام، الصحیح، کتاب الایمان (دارلسلام الریاض، طبع دوم، سن اشاعت ۲۰۰۰ء/۱۴۲۰ھ) حدیث ۴۸۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۰۔ مسلم، الصحیح، کتاب الصلوٰۃ، حدیث ۱۹۷۸

۲۱۔ احمد بن حنبل، امام، مسند، دار صادر بیروت، ج ا ص ۹۸

۲۳۔ ابن منظور، لسان العرب، ج ۱۲ ص ۵۰۵

۲۴۔ حوالہ سابقہ

۲۵۔ القرآن: ۴۹:۱۱

۲۶۔ راغب اصفہانی، معجم مفردات القرآن، ص ۴۳۱

۲۷۔ لوئیس معلوف، المنجد فی اللغۃ والاعلام (المطبعۃ الکاثولیکۃ فی بیروت، الطبعۃ الرابعۃ العشرین، سن اشاعت ۱۹۸۰ء/۱۴۰۰ھ) ص ۶۶۴

۲۸۔ سرہندی، قاموس مترادفات، ص ۸۵۷

۲۹۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۲/ایکس وی آئی (دی یونیورسٹی آف دی پنجاب لاہور، طبع اول، ۱۹۷۸ء/۱۳۹۸ھ) ص ۴۴۶

۳۰۔ ندیم احمد، اردو قوم (ویلکم بک پورٹ کراچی، سن اشاعت اکتوبر ۲۰۰۹ء/۱۴۲۹ھ) ص ۱۲

۳۱۔ القرآن: ۶:۶۶

۳۲۔ القرآن: ۲۲:۴۲

۳۳۔ القرآن: ۵:۵۸

۳۴۔ القرآن: ۶:۶۶

۳۵۔ القرآن: ۲:۲۱۳

۳۶۔ ابن منظور، لسان العرب، ج ۱۲ ص ۵۰۵

۳۷۔ القرآن: ۲۶:۲۱۴

۳۸۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الفضائل المدینہ، باب ا، حدیث ۱۸۷۰ء

۳۹۔ محدث دہلوی، شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، مترجم: مولانا خلیل احمد اسرائیلی (اسلامی اکادمی اردو بازار لاہور، سن اشاعت دسمبر ۱۹۷۷ء/۱۳۹۷ھ) ج ا ص ۱۱۸

۴۰۔ حوالہ سابقہ، ج ۲ ص ۱۷۲

۴۱۔ محدث دہلوی، حجۃ اللہ البالغہ، ج ا ص ۱۲۴

۴۲۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، مولانا، تفہیم القرآن (ادارہ ترجمان القرآن لاہور، طبع پچیس، سن اشاعت جولائی ۱۹۹۱ء/۱۴۱۱ھ) ج ا ص ۱۶۲

۴۳۔ کتاب مقدس: پیدائش ۱۵:۱۸، پاکستان بائبل سوسائٹی، انارکلی لاہور پاکستان، سن اشاعت ۲۰۰۸ء

۴۴۔ کتاب مقدس: پیدائش ۱۷:۴۔۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴۵۔ القرآن:۲:۱۳۵

۴۶۔ القرآن:۲۴:۴۰

۴۷۔ القرآن:۳:۴۹

۴۸۔ کتاب مقدس: متی:۲۴

۴۹۔ القرآن:۱۱:۸

۵۰۔ القرآن:۶:۳۸

۵۱۔ طبری، جامع البیان، دارالمعرفۃ بیروت لبنان، طبع چہارم، سن اشاعت ۱۹۸۰ء/۱۴۰۰ھ، ج ۷، ص ۱۸۷

۵۲۔ ابن منظور، جمال الدین، ابوالفضل، علامہ، لسان العرب، ج ۱۲، ص ۲۷

۵۳۔ القرآن:۷:۱۸۴

۵۴۔ القرآن:۳:۱۱۰

۵۵۔ القرآن:۳:۱۰۴

۵۶۔ القرآن:۱۶:۱۲

۵۷۔ طبری، جامع البیان، ج ۷، ص ۱۶۷

۵۸۔ القرآن:۷:۱۲۸

۵۹۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حجۃ اللہ البالغہ، ج ۱، ص ۹۳

۶۰۔ القرآن:۱۲:۲

۶۱۔ شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، ج ۱، ص ۸۰ تا ۱۰۴

۶۲۔ ندیم احمد، اردو قوم (ویلکم بک پورٹ کراچی، سن اشاعت اکتوبر ۲۰۰۹ء/۱۴۲۹ھ) ص ۱۲

© rasailojaraid.com